تقریر ترمذی میں معاشرتی مسائل ومعاملات کی شرح میں تقی عثمانی کا اسلوب

The Style of Taqi Usmani in the Explanation of Social Problems and Matters in Taqreer-e-Tirmizi

Dr. Shazia
Assistant Professor, Department of Islamic Studies, GCWUF.
Email: shazia.adnan81@gmail.com
Rabia Faryad
Teaching Assistant, Department of Islamic Studies, GCWUF.
Email: rabiafaryad@gmail.com
Nida Sharif
M.Phil Scholar, Department of Islamic Studies, GCWUF.
Email: nidasharif1756@gmail.com

Abstract
“The human history is created and flourished by the tradition of moral glory, justice and kindness. This tradition belongs to the Quran and Hadiths. As the Quran is protected and safe, similarly, the followers and Sahaba of the Prophet Muhammad (PBUH) and different Muhaddith Imams have protected his sayings, actions and habits in the form of many collections. One of these collections is Jamia Tirmizi which is considered to be a very precious collection of hadiths. Many explanations of Jamia Tirmizi have been written, of which Taqreer-e-Tirmizi by Mufti Muhammad Taqi Usmani is a comprehensive and well-known explanation. This book explains many sharia commandments about social problems and matters such as kind relationship, severance of relations, murder, rape, Jihad, and clothing knowledge. Similarly, the importance of the sharia punishments, forced trade, and obedience of the ruler was addressed and many methods to improve the economic and social systems were mentioned. This study provides a brief picture of the procedures and styles adopted by Taqreer-e-Tirmizi which sheds light on the influence of Islamic rules and regulations in modern times.”

Keywords: Jamia Tirmizi, Taqree-e-Tirmizi, Taqi Usmani, Hadiths, Kind Relationship, Murder, Rape, Jihad, Clothing, Forced Trade

تقی عثمانی تعارف:

مفتی تقی عثمانی ایک دیوبندی عالم کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ علمائے کرام کی صف میں ایک بلند مقام پر فائز اور تمام اکابر علماء کے لیے محبوب شخصیت ہیں۔ پوری ملتِ اسلامیہ آپ کو عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ مسائل جدیدہ میں تقی صاحب کی رائے کو عالمِ اسلام میں مستند سمجھا جاتا ہے۔ والد گرامی کی طرف سے اگر آپ کا سلسلہ نسب

دیکھا جائے تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف ملتا ہے اور والدہ کی طرف سے آپ کا سلسلہ نسب حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جاملتا ہے۔(1) آپ کا سلسلہ نسب مولانا محمد تقی عثمانی بن مفتی محمد شفیع بتایا جاتا ہے۔(2)

پیدائش:

مفتی محمد تقی عثمانی کی پیدائش 5 شوال المکرم 1362 و مطابق 1943ء بروز شنبہ دیوبند ضلع سہارنپور میں بتائی جاتی ہے۔(3)

تعلیم و تربیت:

مولانا تقی عثمانی نے ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے والد گرامی محمد شفیع سے حاصل کی۔ اس کے بعد دار العلوم کراچی میں داخل ہوئے اور اردو فارسی کی بعض کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد مولانا درسِ نظامی میں داخل ہو گئے اور درسِ نظامی کی تکمیل 1379ھ میں ہوئی اور عالیہ کی سند امتیازی نمبروں سے حاصل کر لی۔ اس مرحلہ میں آپ نے علوم شرعیہ، حدیث فقہ اصول عربی، ادب، علم الکلام اور تفسیر کا علم حاصل کیا۔ اس کے بعد جامعہ پنجاب کی طرف سے عربی میں ماسٹر ڈگری حاصل کی جو کہ 1300ھ بمطابق 1970ء بتائی جاتی ہے۔(4)

درس و تدریس:

مولانا تقی عثمانی نے تعلیم حاصل کرنے کے بعد 3 شعبوں میں کام کیا جن میں

1۔ تدریس 2۔ فتاویٰ 3۔ تصنیفات و تالیفات شامل ہیں۔

تدریس کے بعد آپ کو جامعہ دار العلوم دیوبند میں ہی بطور مدرس مقرر کیا گیا۔ جہاں پر آپ نے حدیث اور فقہ کے متعلقہ علوم کی تدریس مکمل کی۔ آپ نے بہت سی کتابیں لکھی ہیں جن میں چند ایک نام بیان کیے جا رہے ہیں۔

1۔ آسان ترجمہ قرآن 2۔ علوم القرآن

3۔ قتل اور خانہ جنگی کے بارے میں آنحضرت ﷺ کے ارشادات

4۔ کتاب فقہ و فتاویٰ (احکام اعتکاف) 5۔ احکام الذبائح

6۔ اسلام و جدید معاشی مسائل 7۔ فقہ البیوع

8۔ کاغذ نوٹ اور کرنسی کا حکم 9۔ مسئلہ سود

10۔ فتاویٰ عثمانی 11۔ غیر سودی بینکاری

12۔ مقالات العثمانی 13۔ اسلامی اور جدید معیشت و تجارت

14۔ معارف القرآن

ان کے علاوہ اور بھی عربی اور انگریزی تصانیف ملتی ہیں:

1۔ بحوث فی قضایا فقهية معاصرة

2۔ فقه البيوع على المذاهب الاربعة

3۔ تكملة فتح الملهم بشرح صحيح الامام المسلم

4۔ اصول الافتاء و آدابه

انگریزی خدمات:

1. An Introduction to Islamic Finance
2. Causes and Remedies of the Present
3. Contemporary Fatawa
4. Islamic Months: Merits and Precepts
5. The Authority of Sunnah
6. The Historic Judgment on Interest
7. The language of the Friday Khutbah

ان کے علاوہ تقی صاحب 66 سے زائد کتابوں کے مصنف اور "البلاغ" نامی جریدے کے مدیر بھی ہیں جو اُردو اور انگریزی میں شائع ہوتا رہا ہے۔

شیوخ:

مولانا تقی صاحب نے جن معزز اساتذہ کرام سے کسب فیض حاصل کیا ان کی فہرست درج ذیل ہے:

1۔ مولانا مفتی محمد شفیع

2۔ مولانا رشید احمد لدھیانوی

3۔ شیخ علامہ اکبر علی

4۔ شیخ مفتی ولی حسن

5۔ شیخ امیر الزمان کشمیری

6۔ مولانا فضل محمد سواتی

7۔ مولانا بدیع الزمان

8۔ حافظ سبحان محمود

9۔ نور احمد

10۔ علامہ رعایہ اللہ

11۔ شیخ سلیم اللہ خان[5]

دینی و تصنیفی خدمات:

تقی صاحب کے اندر پائی جانے والی غیر معمولی خوبیاں اس بات کی ضمانت دیتی رہی ہیں کہ آپ کو کاغذ اور قلم کے ساتھ گہری دلچسپی رہی ہے۔

محمد عدنان مرزا آپ کی تصانیف کی اہمیت کو اُجاگر کرتے ہوئے یوں بیان کرتے ہیں:

"حضرت استادِ محترم کی جہاں دوسری خدمات محترم ہیں وہاں آپ کی حیات طیبہ میں تصنیفات و تالیفات کا بھی ایک درخشندہ و زندہ جاوید باب ہے۔ آپ کی تحریر پُر مغز، مدلل اور ایسی عام فہم اور سلیس ہوتی ہے کہ دل کی تھاہ گہرائیوں تک اُترتی چلی جاتی ہے۔ اللہ پاک نے حضرت کے وقت میں ایسی برکت اور قلم میں وہ روانی رکھی ہے جس سے اسلاف کے کارناموں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔"[6]

تقریر ترمذی کا تعارف:

احادیث کی کتب صحاح ستہ کا مجموعہ سب سے بڑا ہے اور جامع ترمذی بھی احادیث کا ایک مجموعہ ہے جو کہ بہت اہمیت کا حاصل ہے۔ جامع ترمذی لکھی جانے والی شروحات میں مفتی تقی عثمانی کی تقریر ترمذی نہایت جامع اور معروف شرح ہے۔ جامع ترمذی کی یہ شرح اپنے تمام ابواب کی توضیح اور تشریح کے لحاظ سے سادہ زبان میں کی گئی ہے۔ اس کتاب البیوع کے ابواب، ابواب الاحکام، ابواب الدیات، ابواب الحدود، ابواب السیر، ابواب الجھاد اور ابواب اللباس کا جائزہ لیا گیا ہے۔ معاشی اور معاشرتی مسائل دونوں کو زیر بحث لایا گیا ہے جن میں کاشت کاری، قرعہ اندازی، زنا، قتل، جہاد، سیر اور لباس جیسے معاملات شامل ہیں۔

شرح کا نام:

مفتی تقی عثمانی کی یہ شرح تقریر ترمذی (حصہ معاملات) جو کہ 372 صفحات پر مشتمل درسی تقاریر کے نام سے جانی جاتی ہے جو کہ دو جلدوں پر مشتمل ہے اور یہ کتاب 1999ء میں میمن پبلشرز کراچی سے شائع ہوئی۔[7]

منہج و اسلوب:

مفتی صاحب آسان اور عام فہم زبان کا استعمال کرتے ہوئے عمدہ الفاظ کا چناؤ کرتے نظر آتے ہیں۔ جملوں میں

ربط اور تسلسل کو قائم رکھتے ہوئے عبارت کو دلنشین اس قدر بناتے ہیں جس سے آپ کے علمی مقام و مرتبہ کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ تقریر ترمذی میں فقیہانہ اور عالمانہ رنگ نمایاں نظر آتا ہے۔ فقہی اصطلاحات کا استعمال کرتے ہوئے اس کی وضاحت کر دیتے ہیں اور ان فقہی مسائل پر اپنا موقف بھی سامنے رکھتے ہیں۔

وسیع معلومات:

مفتی صاحب کی تقریر ترمذی اپنے اندر وسیع معلومات کا ذخیرہ رکھے ہوئے ہے۔ احادیث میں بیان کردہ مسائل سے متعلق دیگر کتب سے احادیث، قرآنی آیات، صحابہ و تابعین کے اقوال وفقہاء کے اقوال اور اہل علم کی آراء کو بیان کیا گیا ہے۔

منطق اور کلامی مباحث سے اجتناب:

مفتی تقی عثمانی نے اس شرح کو لکھتے ہوئے منطقی کلامی مباحث سے اجتناب کیا ہے تاکہ اس شرح سے عام لوگ بھی اچھی طرح مستفید ہو سکیں۔ اگر کسی جگہ علمی بحث کی ضرورت محسوس ہوئی ہے تو اسے عام اور سادہ زبان کو استعمال کرتے ہوئے ایسے بیان کر دیا ہے کہ قارئین کو سمجھنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئے۔

احادیث کی عمدہ تخریج:

تقریر ترمذی کی ایک خوبی یہ بھی ہے کہ شارح نے لکھتے وقت احادیث کی عمدہ تخریج کر دی ہے۔ تخریج کرتے ہوئے واضح کیا ہے کہ یہ حدیث اس کے علاوہ اور کون سی کتب میں آئی ہے۔ ایک حدیث کی وضاحت کے لیے ساتھ ہی دوسری حدیث کو بیان کر دیا گیا ہے جیسے کہ ابواب البیوع کے باب ما جاء لا بیبع حاضر لباد کی حدیث نمبر 33 جو کہ اس طرح بیان کی گئی ہے کہ

"عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال رسول ﷺ وقال قتیبۃ یبلغ بہ النبی ﷺ قال: لایبیع حاضر لباد"[8]

ترجمہ: (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کوئی شہری باہر سے آنے والے دیہاتی کا مال نہ بیچے بلکہ دیہاتی کو خود بیچنے دے۔)

اس حدیث کی تخریج میں دوسری حدیث بیان کی گئی ہے کہ

"عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول ﷺ! لا یبیع حاضر لباد، دعو الناس یر زق اللہ بعضھم من

بعض"[9]

ترجمہ:(حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کوئی شہری کسی دیہاتی کا مال فروخت نہ کرے، لوگوں کو چھوڑ دو کہ اللہ تعالیٰ ان میں سے بعض کو بعض کے ذریعے رزق دے۔)

تقی صاحب نے اس عمدہ طریقے سے احادیث کی تخریج کرتے ہوئے اس شرح کو مستند بنایا ہے۔

تعارضات کی تطبیقات:

شرح تقریر ترمذی کی خصوصیات میں سے ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ شارح دوران شرح اپنائے گئے اسلوب میں سے دو حدیثوں کے درمیان پائے جانے والے تعارضات کی تطبیق کر دیتے ہیں اور واضح کر دیتے ہیں کہ تعارض پیدا ہونے کی وجہ کیا تھی۔ جیسے کہ ابواب البیوع میں باب ماجاء فی اشتراط ظهر الدابة عند البيع میں حدیث نمبر (86) میں روایت ملتی ہے کہ

"عن جابر بن عبد الله رضی الله تعالیٰ عنه انه باع من النبی ﷺ بعيرا واشترط ظهره الی اهله۔"[10]

ترجمہ:(حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور اقدس ﷺ کو ایک اونٹ فروخت کیا اور یہ شرط لگائی کہ میں اپنے گھر تک اس پر سواری کروں گا۔)

یہ پہلی حدیث جس میں اونٹ پر سواری کرنے کے بارے میں کہا گیا جبکہ دوسری حدیث جو کہ ابواب البیوع کے باب الانتفاع بالرهن کی حدیث نمبر (۸۷) میں ملتا ہے کہ

"عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول ﷺ الظهر يركب اذا كان مرهونا ولبن الدريشرب اذا كان مرهونا، وعلى الذی يركب و يشرب نفقته۔"[11]

ترجمہ:(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جانور پر سواری کی جاسکتی ہے، جبکہ وہ رہن رکھا ہوا ہو اور دودھ دینے والے جانور کا دودھ پیا جاسکتا ہے جبکہ وہ رہن رکھا ہوا ہو اور جو شخص اس پر سواری کرے گا یا اس کا دودھ پیئے گا اس پر اس جانور کا نفقہ ہو گا۔)

ان دو احادیث سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کس طرح شارح نے دونوں کو بیان کرکے اس مسئلے کا حل پیش کر دیا ہے تاکہ ان دونوں احادیث کا تعارض ختم ہو سکے۔

معاشرتی مسائل

معاشرت انسان کی فطری ضرورت ہے۔ اللہ عزوجل نے اسے صرف فرد کی حیثیت سے زمین پر پیدا نہیں کیا بلکہ اجتماعی زندگی کے لیے بھیجا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہ اپنے عمل کا انفرادی ذمہ دار ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ اسے خاندان کا فرد بنایا، قبائلی زندگی کا شعور بخشا، بستیاں بنانے اور تمدن تخلیق کرنے کا سلیقہ بھی سکھایا گیا۔ اجتماعیت کی تشکیل، قوموں کا وجود، معاشروں اور سلطنتوں کی تنظیم، انسان کے اسی فطری شعور میں شمار کیا جاتا ہے۔ ربانی رہنمائی اس سب کی وجہ ہے۔ ربانی ہدایت ہی ایسا ہتھیار ہے جس کی بدولت اصول اور طریقے سیکھتے ہوئے انسان نے اتباع سے لے کر انحراف تک کے راستے چنے ہیں۔ قرآن کریم میں بھی معاشرے کی اصلاح پر مبنی متعدد آیات ملتی ہیں:

"وَاعْبُدُواْ اللّٰهَ وَلاَ تُشْرِكُواْ بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَى وَالْيَتَامَى وَالْمَسَاكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالجَنبِ وَابْنِ السَّبِيلِ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ "(12)

ترجمہ: (اور اللہ کی بندگی کرو اور اس کا شریک کسی کو نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ سے بھلائی کرو اور رشتہ داروں، یتیموں اور محتاجوں اور پاس کے ہمسائے اور دور کے ہمسائے اور کروٹ کے ساتھی اور راہ گیر اور اپنی باندی غلام سے۔)

مندرجہ بالا آیتِ مبارکہ سے معلوم ہوا کہ کس طرح اللہ پاک نے والدین، رشتہ داروں، پڑوسیوں، غلاموں کا ذکر، خاندان کی وسعت اور اس کے استحکام کی طرف متوجہ کرتے ہوئے ظاہر کیا ہے۔ خاندانی نظام کو اجتماعیت کا رنگ دینے کے بعد اسے اللہ کی عبادت اور توحید کے بعد دوسرے اہم اخلاقی و دینی اصول کے طور پر بیان کرتا ہے۔ علماء معاشرت اور خاندان کے ادارے کو بڑی اہمیت دیتے ہیں حتیٰ کہ اسے تمدن کی اساس قرار دیتے ہیں۔

کتبِ احادیث میں بھی ہمیں معاشرت کی اہمیت کے پیشِ نظر صلہ رحمی اور قطع رحمی کے متعلق نبی اکرم ﷺ کے ارشاداتِ گرامی ملتے ہیں مثلاً

"عن عبد الرحمٰن بن عوف رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی ﷺ: قال الله تعالیٰ : انا الرحمان انا خلقت الرحم و شفقت

لها استخا من اسمی فمن وصلها وصلته ومن قطعها بتته"[13]

ترجمہ: (عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں رحمان ہوں میں نے رحم (نسبی رشتہ) پیدا کیا ہے اور اپنے نام سے اس کا نام نکالا ہے جس نے اسے پیوستہ رکھا، میں نے اس کو پیوستہ رکھا اور جس نے اسے کاٹ دیا میں نے اسے الگ کر ڈالا۔)

حدیث میں صلہ رحمی پر زور دیتے ہوئے اسے اجتماعی زندگی کی اساس کا نام دے دیا ہے۔ انسانی تعلقات کو جوڑنا اور توڑنا ناپسندیدہ فعل قرار دیا ہے۔ معاشرتی مسائل میں صرف خاندان اور صلہ رحمی ہی نہیں شامل بلکہ اس میں ہمارے اِرد گرد معاشرے میں پیش آنے والے وہ تمام مشکلات ہیں جن کو حل کرنے سے ہی زندگی کو سہل بنایا جاسکتا ہے جن میں قتل، زنا، جہاد، سیر، لباس جیسے معاملات شامل ہیں۔

باب ما جاء فی الدیة کم ھی من الابل:

"عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده ان النبی ﷺ قال: من قتل متعمدًا دفع الی اولیاء المقتول فان شاؤا قتلوا، وان شاؤا اخذوا الدیة وھی ثلثون حقة وثلثون جذعة واربعون خلفة وما صالحوا علیه فھو لھم وذلك لتشدید العقل"[14]

ترجمہ: (حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص کسی کو جان بوجھ کر قتل کرے تو وہ قاتل اولیاء مقتول کے حوالے کر دیا جائے گا، اگر وہ اولیاء چاہیں تو قصاصاً اس کو قتل کرے اور اگر چاہیں تو اس سے دیت لے لیں۔ وہ دیت تیس حقے، تیس جذعے اور چالیس حاملہ اونٹنیاں ہوں گی اور جس چیز پر وہ صلح کر لیں وہ ان کو ادا کی جائے گی اور یہ دیت کو سخت کرنے کے لئے ہے۔)

شافعیؒ کے مطابق اولیاء مقتول کو اختیار ہو گا چاہیں تو قصاص لیں اور چاہیں تو دیت لیں۔ حنفیہ کے نزدیک اولیاء مقتول کا اصل حق قصاص ہے۔ البتہ دیت پر مصالحت ہو سکتی ہے۔ تقی صاحب کہتے ہیں کہ ایک طرفہ طور پر اولیاء مقتول

دیت لازم نہیں کرسکتے بلکہ اگر قاتل کے ساتھ یہ مصالحت ہو جائے کہ ہم تم سے قصاص نہیں لیں گے، تم ہمیں دیت دے دو اور قاتل منظور کرلے تو دیت ادا کرنی ہو گی۔ قاتل دیت کو اور مصالحت کو منظور نہ کرے تو اس صورت میں اولیاء کو صرف قصاص ہی کا حق باقی رہے گا۔[15]

باب ما جاء لا یحل دم امرا مسلم الا باحدی ثلث:

"عن عبد الله بن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول ﷺ: لا یحل دم امرا مسلم یشهد ان لا اله الا الله وانی رسول الله الا باحدی ثلث: الشیب الزانی، والنفس بالنفس، والتارك لدینه المفارق للجماعة"[16]

ترجمہ: (حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی مسلمان کا خون حلال نہیں ہے جو لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی دیتا ہو مگر تین باتوں میں سے ایک کی وجہ سے۔ ایک یہ کہ ثیب زنا کرلے، اور دوسری یہ کہ جان کے بدلے جان اور تیسری یہ کہ وہ شخص جو اپنے دین کو چھوڑنے والا ہو یعنی مرتد ہو جائے اور جماعت سے الگ ہو جائے اس کی سزا بھی قتل ہے۔)

مرتد کی سزا قتل ہے:

جن بعض متجددین نے قتل مرتد سے انکار کیا ہے قرآن حکیم کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں۔

"لَآ إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ"[17]

ترجمہ: (دین کے بارے میں کوئی اکراہ نہیں ہے۔)

کوئی شخص اگر مرتد ہو جائے گا تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ چونکہ اس حدیث میں المفارق للجماعۃ یہ التارک لدینہ کے لئے قید ہے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ محض مرتد ہو جانا۔ یہ موجب قتل نہیں ہے جب اس کے ساتھ مفارقت جماعت یعنی بغاوت نہ پائی جائے۔ لہٰذا جب کوئی شخص مرتد ہو کر بغاوت کا ارتکاب کرے تب وہ موجب قتل ہو گا۔ تنہا ارتداد موجب قتل نہیں ہو گا۔ تقی صاحب کا کہنا ہے کہ یہ استدلال درست نہیں ہے، اس لیے کیونکہ دوسری روایات میں مطلقاً فرمایا گیا کہ **من بدل دینه فاقتلوه** اس کے علاوہ حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور کے بہت سے واقعات موجود ہیں جن میں بغاوت نہ ہونے کے باوجود مرتد کو قتل کیا گیا۔ اور **المفارق للجماعة** در

حقیقت التارك لدینه کے لئے صفت کاشفہ ہے، مستقل قید نہیں ہے۔ لہٰذا اس سے استدلال درست نہیں ہو گا۔[18]

باب ماجاء لا یقتل مسلم بکافر:

"حدثنا ابو جحیفة قال: قلت لعلی رضی الله تعالیٰ عنه یا امیر المؤمنین هل عندکم سوداء فی بیضاء لیس فی کتاب الله؟ قال: والذی فلق الحبة وبرا النسمة ما علمته الا فهما یعطیه الله رجلا فی القرآن وما فی الصحیفة قال: قلت وما فی الصحیفة ؟ قال: فیها العقل وفكاك الاسیروان لا یقتل مومن بکافر"[19]

ترجمہ: (حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علیؓ سے پوچھا یا امیر المومنین! آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کوئی ایسی تحریر ہے جو اللہ کی کتاب میں نہ ہو۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس نے دانے کو پھاڑا اور جس ذات نے روح کو پیدا کیا، سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ ایک بندے کو جو قرآن کی سمجھ دے دے، یا جو اس صحیفہ میں ہے، میں نے کہا: اس صحیفہ میں کیا ہے؟ انھوں نے کہا: اس میں دیت کے احکام ہیں، قیدیوں کو چھوڑنے کا بیان ہے اور یہ حکم ہے کہ کوئی مسلمان کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے۔)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جب بھی کسی کو قرآن کا فہم عطا کیا ہے تو وہ انسان قرآن کریم میں تدبر کرنے کے بعد ایسے لطائف اور اسرار منکشف ہوتے ہیں جو اس سے پہلے کے لوگوں کو معلوم نہیں تھے۔ اُس فہم سے اگر اللہ تعالیٰ مجھے نوازدیتا ہے۔ اور میں قرآن کریم کی تفسیر و تاویل کے بعد کوئی بات سامنے رکھ دوں جو اوروں کے علم میں نہ ہو تو وہ الگ بات ہے لیکن حضور ﷺ نے مجھے کوئی الگ سے احکام نہیں دیے ہیں۔[20]

کیا حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کوئی خاص وصیت فرمائی تھی؟

حضرت علیؓ نے اس بات کا انکشاف کیا کہ میرے پاس دوسرا استثناء کا صحیفہ موجود ہے۔ جس میں ہمیشہ میری عادت رہی ہے کہ میں حضور ﷺ کے ارشادات کو سُن کر محفوظ کر لیا کرتا تھا۔ انہوں نے سوال کیا کہ اچھا اس صحیفے میں کیا کیا درج ہے؟ یہ سوال بھی اس بناء پر کیا گیا کہ غلط پروپیگنڈا کرنے والوں کے پاس کسی قسم کا کوئی عذر باقی نہ رہے کہ اس

صحیفے میں کوئی خاص وصیت لکھی گئی کہ میرے بعد تم خلیفہ بنو گے۔ اس وجہ سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا گیا کہ اس صحیفے میں کیا لکھا ہے؟ تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جواب تھا کہ اس صحیفے میں دیت کے متعلق حکم درج ہے۔ قیدی کو چھڑانے کے احکام درج ہیں یعنی کن حالات میں قیدی کو چھڑایا جا سکتا ہے اور کن حالات میں چھوڑا نہیں جائے گا اور دوسرا یہ کہ کوئی مومن کسی کافر کے بدلے قتل نہ ہو۔[21]

ذمی کے قتل کا قصاص مسلمان سے لیا جائے گا؟ فقہاء کا اختلاف:

حدیث کے آخری جملہ "**وان لا یقتل مومن بکافر**" سے آئمہ ثلاثہ نے استدلال کرتے ہوئے اپنا موقف رکھا ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی ذمی کو قتل کر دیتا ہے تو مسلمان کو ہر گز قصاصاً قتل نہیں کیا جائے گا۔ جبکہ حنفیہ کا کہنا ہے کہ ذمی کو قتل کرنا بھی دنیاوی احکام کے لحاظ سے ایسا ہی ہو گا جیسا کہ ایک مسلمان کو قتل کر دینا۔ اس بنا پر جس طرح مسلمان کے قتل کا قصاص لازم آتا ہے ایسے ہی ذمی کو قتل کرنے سے بھی قصاص لازم آجاتا ہے۔[22]

حنفیہ کے دلائل:

حنفیہ نے پہلی دلیل جو کہ قرآن کریم کی آیت سے دی ہے "**ان النفس بالنفس**" اس آیت میں مسلمان یا کافر کی کوئی قید نہیں ہے۔ دوسری دلیل جو رکھی ہے وہ حضور ﷺ نے ذمی کے قتل پر جو شدید وعیدیں فرمائی جس میں حکم ہوا کہ جو شخص ذمی کو قتل کرے گا وہ جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گا۔ حالانکہ وہ اہل ذمہ کافر ہے۔ اس لیے معلوم ہوا کہ ذمی کو قتل کرنا بھی اتنا ہی بڑا گناہ ہے جتنا کہ ایک مسلمان کو قتل کرنا۔

حنفیہ کی دلیل میں یہ بھی شامل ہے کہ جب ذمی سے ہم یہ کہہ دے کہ اس کی جان بھی باقی مسلمانوں کی طرح محفوظ ہے تو اس بنیاد پر ذمی اور مسلمان کی جان میں دنیاوی احکام کے لحاظ سے کوئی فرق نہ رہا۔ اس وجہ سے متعدد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ثابت ہے کہ انہوں نے ذمی کے بدلے مسلمان کو قتل کیا۔

تقی صاحب اس حدیث سے متعلق بیان کرتے ہیں کہ حدیث میں جو لفظ "**لا یقتل مومن بکافر**" بیان ہوا ہے۔ ان میں لفظ کافر سے مراد حربی ہے یعنی کسی مومن کو کسی حربی کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا۔ دوسری طرف یہ بیان کیا کہ کسی مسلمان کو کسی کافر کی گواہی پر قتل نہیں کیا جائے گا۔[23]

باب ماجاء فی التلقین فی الحد:

"عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنه ان النبی ﷺ قال: لما
عز ابن مالك: احق ما بلغنی عنک ؟قال:ما بلغک
عنی؟قال:بلغنی انک وقعت علی جاریة آل فلان، قال:

نعم ، فشهد اربع شهادات فامر به فرجم "[24]

ترجمہ :(حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کیا وہ بات سچ ہے جو تمہارے بارے میں مجھ تک پہنچی ہے؟ حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پوچھا کہ میرے بارے میں کیا بات پہنچی ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے خبر پہنچی ہے کہ تم نے آل فلاں کی جاریہ سے صحبت کی ہے۔ حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ہاں۔ اس کے بعد انہوں نے چار مرتبہ گواہی دی (یعنی اقرار کیا) پھر آپ ﷺ نے حکم جاری کر دیا اور ان کو رجم کر دیا گیا۔)

دونوں روایات میں تطبیق:

تقی صاحب حدیث کی روایت سے متعلق بیان فرماتے ہیں کہ ایک روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اور آ کر جب انہوں نے جرم کا اعتراف کر لیا تو آپ ﷺ نے ان سے اعراض فرمایا اور دوسری طرف منہ موڑ لیا۔ انہوں نے پھر دوسری طرف سے آ کر اعتراف کیا تو آپ ﷺ نے پھر اعراض فرمایا۔ اس طرح چار دفعہ انہوں نے اعتراف کیا اور آپ ﷺ نے اعراض فرمایا۔ جبکہ حدیث باب کو اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو پہلے سے اطلاع پہنچ گئی تھی اور پھر آپ ﷺ نے ان سے پوچھا۔ دونوں روایات میں تطبیق اس لحاظ سے پائی جائے گی کہ آپ ﷺ کو اطلاع پہلے مل گئی تھی پھر آپ ﷺ نے ان کو بلایا تھا ۔اور آپ ﷺ کا خیال یہ تھا کہ اگر وہ انکار کر دیتا ہے تو معاملہ ختم کر دیں گے لیکن چونکہ انہوں نے آ کر کے اقرار کیا کہ میں نے یہ جرم کیا ہے۔ اس وقت آپ ﷺ نے چار دفعہ اعراض کرتے ہوئے منہ دوسری طرف پھیر لیا مگر چار مرتبہ قبول کیے جانے پر نبی ﷺ نے حکم صادر فرمایا۔ اس طرح دونوں روایتیں اپنی جگہ پر درست ثابت ہوتی ہیں۔[25]

باب ماجاء فی تحقیق الرجم:

"عن عمر بن الخطاب رضی الله عنه قال: ان الله بعث محمدا ﷺ بالحق وانزل علیه الکتاب و کان فیما انزل علیه آیة الرجم فرجم رسول ﷺ ورجمنا بعده وانی خائف ان یطول بالناس زمان فیقول قائل: لا نجد الرجم فی کتاب الله

فيضلوا تبرک فريضة انزلها الله الا وان الرجم حق على من
زنى اذا احصن وقامت البينة اوكان حمل اوالا عتراف"[26]

ترجمہ: (حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ خطبہ دیا اس میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا اور آپ ﷺ پر کتاب یعنی قرآن کریم نازل فرمایا اور آپ ﷺ پر جو کتاب نازل کی گئی اس میں ایک آیت رجم کی بھی تھی۔ چنانچہ اس آیت کی تعمیل میں حضور ﷺ نے بھی رجم کیا اور آپ ﷺ کے بعد ہم نے بھی رجم کیا اور مجھے یہ اندیشہ ہے کہ لوگوں پر زمانہ دراز ہو جائے گا تو کوئی کہنے والا یہ کہے گا کہ ہم کتاب اللہ میں رجم کا حکم نہیں پاتے پھر وہ اس فریضے کو ترک کر کے گمراہ ہو جائیں گے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا تھا۔ خوب سمجھ لو کہ اس شخص پر رجم حق ہے جس نے زنا کیا ہو جبکہ وہ محصن ہو اور اس کے خلاف بینہ قائم ہو گیا ہو یا عورت کو حمل ہو یا وہ خود زنا کا اعتراف کر لے۔)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اندیشہ موجودہ دور کے آئینے میں:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ دور اندیشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مجھے اس بات کا ڈر ہے کہ جب زمانہ طویل گزر جائے گا تو لوگوں کا نظریہ یہ ہو گا کہ قرآن کریم میں تو رجم کا حکم موجود نہیں ہے۔ جس وجہ سے لوگ رجم سے انکار کر دیں گے۔ اس لیے معلوم ہوتا ہے جیسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آج کے دور کو جانتے ہوئے یہ بات بیان فرمائی۔ ان لوگوں کا آج کے دور میں یہی کہنا ہے کہ کوڑوں کا ذکر ملتا ہے، رجم کا نہیں ملتا ہے۔ جس وجہ سے انہوں نے رجم کی مشروعیت سے انکار کر دیا۔[27]

جیسے کہ قرآن حکیم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

"الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِئَةَ جَلْدَةٍ"[28]

ترجمہ: (جو عورت بدکار ہو اور جو مرد تو ان میں ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ۔)

اس آیت کو دلیل بناتے ہوئے لوگوں نے ہمیشہ کوڑوں کی سزا کا حکم رکھا ہے اور رجم کرنے سے انکار کرتے رہے ہیں۔

دو سزاؤں کا مدغم کیا جا سکتا ہے:

تقی صاحب کا اس شرح میں بیان یہ ہے کہ دو سزاؤں کو مدغم کیا جا سکتا ہے۔ یعنی ایک وقت میں اگر دو سزاؤں

کا حکم ہوا ہے تو دوسری سزا سے مجرم کے لیے موت کا لاحق ہونا لگ رہا ہو تو اس صورت میں چھوٹی سزا کو بڑی سزا میں مدغم کیا جا سکتا ہے۔ مطلب امام کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ چاہے تو دونوں سزائیں دے دیں یا پھر سو کوڑوں کو موت کی سزا میں مدغم کر کے رجم کر دے۔(29)

باب ما جاء فی حد السکران:

"عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ضرب الحد
بنعلین اربعین قال مسعر : اظنہ فی الخمر "(30)

ترجمہ: (حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے دو جوتوں کے ذریعہ چالیس مرتبہ مار کر حد جاری فرمائی۔ حضرت مسعر فرماتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ یہ سزا شراب نوشی کے سلسلے میں تھی۔)

شراب کی حد کتنے کوڑے ہیں 40 یا 80؟

شافعیہ کے نزدیک شراب کی حد چالیس (40) کوڑے ہیں اور حنفیہ کے نزدیک اَسّی (80) کوڑے ہیں۔ شافعیہ حدیث باب سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس میں آپ ﷺ نے چالیس (40) مرتبہ جوتے مارے، کئی روایات میں چالیس کا عدد آیا ہے۔ کسی روایت میں چالیس کوڑوں کا ذکر ہے، کسی روایت میں چالیس جوتے اور کسی میں چالیس شاخیں آتی ہیں۔ حنفیہ کے نزدیک شراب پینے پر حد اَسّی (80) کوڑے ہیں۔

تقی صاحب بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے دونوں میں احتمال بتایا ہے یعنی چالیس (40) کا بھی اور اَسّی (80) کوڑوں کو بھی احتمال رکھا ہے۔ جیسے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر کسی پر حد جاری کر دیتے اور کوڑے لگنے کی وجہ سے اس کا انتقال ہونے کا خدشہ ہو تا تو کبھی نہیں گھبراتے تھے۔ البتہ اگر شراب خمر کی وجہ سے کسی پر اَسّی (80) کوڑے کی حد جاری کر دیتے اور انتقال کا ڈر ہو تا تو اس بات سے ضرور گھبراتے تھے۔ وہ اس لیے کیونکہ اَسّی (80) کوڑے قیاس سے مقرر کیے گئے ہیں۔(31)

باب من یعطی الفیٔ:

"عن یزید بن ھرمز رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان نجدۃ الحروری
کتب الی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ یسالہ ھل کان رسول
اللہ ﷺ یغزو بالنساء ؟ وھل کان یضرب لھن بسھم ؟فکتب

الیه ابن عباس کتبت الی تسالنی هل کان رسول ﷺ یغزو بالنساء وکان یغزو هن فید اوین المر ضی ویحذین من الغنیمة واما السهم فلم یضرب لهن بسهم "[32]

ترجمہ:(یزید بن ہر مز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ نجدہ حروی نے ایک مرتبہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خط لکھا اور یہ مسئلہ پوچھا کہ کیا حضور ﷺ عورتوں کو جہاد میں لے جایا کرتے تھے؟اور کیا آپ ﷺ ان عورتوں کے لئے کوئی حصہ مقرر فرماتے تھے؟ چنانچہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب میں لکھا کہ تم نے مجھ سے یہ پوچھا ہے کہ کیا حضور ﷺ خواتین کو جہاد میں ساتھ لے جایا کرتے تھے؟تو حضور ﷺ خواتین کو ساتھ لے جاتے تھے وہ بیماروں کا علاج کرتی تھیں اور مالِ غنیمت میں سے ان کو کچھ عطا کیا جاتا تھا۔یعنی تھوڑا بہت ان کو دے دیا جاتا تھا لیکن باقاعدہ کوئی حصہ مالِ غنیمت میں سے ان کے لئے مقرر نہیں کیا گیا۔)

اس حدیث کے ذریعے آگاہی دی کہ کس طرح عورتیں جنگ کے دوران ساتھ جایا کرتی تھیں اور جہاد کے وقت مدد کرتی تھیں چاہے کوئی زخمی ہو جاتا تھا یا پھر کسی کو پانی کی ضرورت پیش آتی تھی۔مگر نبی پاک ﷺ نے مالِ غنیمت میں سے عورتوں کا حصہ نہیں رکھا تھا بلکہ ان کو مالِ غنیمت کا کچھ حصہ عطا کر دیا جاتا تھا۔اس طرح عورتوں کو شرعی لحاظ سے جہاد میں جانے پر کوئی پابندی نہیں ہے۔

باب ماجاء فی من قتل قتیلا فله سلبه:

"عن ابی قتادہ رضی الله عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم :من قتل قتیلا له علیه بینة فله سلبه "[33]

ترجمہ:(حضرت ابو قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا جو شخص کسی کو(جنگ میں) قتل کرے اور اس کے پاس اس کو قتل کرنے پر بینہ موجود ہو جو گواہی دے سکتا ہو کہ اس مقتول کو اس نے قتل کیا ہے،تو قاتل کو مقتول کا سلب ملے گا۔)

"سلب" کے معنی ہیں وہ سامان جو اس کا ذاتی ہے مثلاً اس کے کپڑے، اس کی تلوار، اس کی زرہ وغیرہ۔

مقتول کے سلب کا حکم:

امام شافعیؒ کے نزدیک یہ قاعدہ اور اصول وقتی نہیں ہے بلکہ ہمیشہ قائم رہے گا یعنی کے جب بھی مقتول کا سلب عام مالِ غنیمت میں شامل کرنے کی بجائے ہر مقتول کا سلب مالِ غنیمت سے جدا کر دیا جائے گا اور صرف قاتل کو اس پر حق حاصل رہے گا۔ جبکہ دوسری طرف امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک یہ حکم ابدی اور تشریعی نہیں ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ امام کی طرف سے انعام ہو گا جو کہ قاتل کو امام چاہے تو دے دے کیونکہ ان کے نزدیک سلب کو بھی عام مالِ غنیمت میں شامل کر کے مجاہدین میں برابر تقسیم کیا جانا چاہیے۔ امام ہمت دلانے کے لئے انعام کے طور پر اعلان کر سکتا ہے۔(34)

سلب کے بارے میں کس وقت اعلان کیا جائے؟

سلب کے اعلان کے وقت کے متعلق بھی فقہا کا اختلاف بتایا گیا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک فقہاء کو حق حاصل جب چاہیے اعلان کر دے چاہے وہ اعلان جہاد کی ابتدا میں کر دے یا وسط میں یا آخر میں کر دے یا مالِ غنیمت کی تقسیم کے وقت کرے۔ جبکہ امام مالکؒ کے نزدیک آغاز جہاد میں اعلان نہیں کرنا چاہیے بلکہ جب جہاد ختم ہو جائے اور مالِ غنیمت تقسیم ہو رہا ہو تب اعلان کرے کیونکہ اگر آغاز میں اعلان کرے گا تو مجاہدین کے دل میں دنیاوی غرض پیدا ہو جائے گی اس طرح جہاد کو خالص نہیں رکھا جا سکے گا۔ اس لئے بعد میں اعلان کرنا بہتر ہو گا جبکہ حنفیہ فرماتے ہیں کہ مجاہد صرف سلب کی لالچ میں آ کر جان کو خطرے میں نہیں ڈالے گا بلکہ اس کی نیت میں جہاں اعلاء کلمۃ اللہ ہی ہو گا۔

تقی صاحب یہاں حدیث میں واضح کرتے ہیں کہ نیّت کا خالص ہونا ضروری ہے۔ یعنی ہر نیک کام نیت پر منحصر ہو گا جیسے اگر ہم سمجھے کہ ہم پڑھنے کے بعد عالم بن کر کے مقتدا بن جائیں گے تا کہ میں مخدوم بن جاؤں اور لوگ میری خدمت کریں اور میرے لئے ہدیے تحفے لایا کریں تو اس صورت میں اخلاص فوت ہو جائے گا۔(35)

باب ما جاء ما یحل من اموال اهل الذمة:

"عن عقبة بن عامر رضی الله تعالیٰ عنه قال: قلت یا رسول الله ﷺ ان نمر بقوم فلا هم یضیفونا ولا هم یؤدون مالنا علیهم من الحق ولا نحن ناخذ منهم فقال رسول الله ﷺ ان ابوا الا ان تاخذوا کرها فخذوا"(36)

ترجمہ: (حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے

پوچھا یارسول اللہ ﷺ! بعض اوقات ہم کسی قوم کے پاس سے گزرتے ہیں تو نہ تو وہ ہماری مہمانی کرتے ہیں اور نہ وہ لوگ وہ حق ادا کرتے ہیں جو ہمارا ان پر ہے اور نہ ہم ان سے لیتے ہیں۔)

یہ حدیث اس واقعہ کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ بعض اوقات ایسا ہوتا تھا کہ جب کبھی نبی کریم ﷺ کسی بھی جنگی مہم پر کوئی لشکر روانہ کرتے تو راستے میں جو بھی گاؤں یا بستیاں آتیں جن سے لشکر والوں کو ان بستیوں سے کچھ خریدنا پڑتا تو بستی والے نہ تو ان کو کچھ خریداری کرنے دیتے تھے اور نہ ہی مہمانوں کی طرح ان کی مہمانی کرتے جو کہ عرب کا دستور تھا۔ یہاں تک کہ جب ان کو علم ہوتا کہ لشکر نبی ﷺ نے بھیجا ہے تو مسلمانوں کو دیکھ کر اپنی دکانیں بند کر دیتے تاکہ کوئی کچھ خرید نہ سکے۔ اس صورت میں نبی کریم ﷺ سے دریافت کرنے پر علم ہوا کہ ان سے جب تم کچھ سامان خریدو اور وہ تمہیں وہ سامان نہ دیں تو ان سے زبردستی لے لو یعنی کہ اگر بیع کرنے پر وہ لوگ آمادہ نہ ہو رہے ہوں تو زبردستی ان سے لے سکتے ہو۔[37]

جبری بیع کا حکم:

فقہاء کرام اس حدیث پر استدلال کرتے ہوئے یہ بیان کرتے ہیں کہ مسلمانوں کا امیر اور ولی الامر اگر مسلمانوں کی مصلحت کو سمجھتا ہو تو وہ کسی بھی شخص کو زبردستی بیع کے لیے رضامند کر سکتا ہے۔ کیونکہ عام حالات کے پیشِ نظر بیع کا جو قاعدہ رہا ہے وہ دو فریقین کی رضامندی سے ہی وجود میں آتا ہے۔ اس حوالے سے قرآن کی آیتِ مبارکہ بیان کی جاتی ہے۔

" لَا تَأْكُلُوٓا۟ أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم بِٱلْبَٰطِلِ إِلَّآ أَن تَكُونَ تِجَٰرَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ "[38]

ترجمہ:(باطل طریقے سے آپس میں ایک دوسرے کے مال نہ کھاؤ البتہ یہ ہو کہ تمہاری باہمی رضامندی سے تجارت ہو۔)

اس آیت کی بنا پر ہم کسی کو زبردستی بیع کے لیے مجبور نہیں کر سکتے ہیں لیکن ایسے حالات جہاں زبردستی بیع کرنا مسلمانوں کے لیے مصلحت عامہ ہو تو اس صورت میں حکم ولی الامر اور حاکم زبردستی بیع کا حکم دے سکتا ہے۔[39]

مسجد کی توسیع کے لیے بیع پر مجبور کرنا:

مسجد کی توسیع کے لیے بیع پر مجبور کرنے پر فقہاء کرام کا استدلال رہا ہے لیکن بشرطیکہ معاوضہ بازاری قیمت پر مالک مکان کو ادا کیا جائے اور اور اس کو ادا کرنے میں تاخیر کرنا جائز نہیں سمجھا جائے گا۔ فقہاء کرام اپنا موقف اس واقعہ پر

رکھتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب کعبہ کی تعمیر و توسیع کے لیے جگہ درکار تھی تو اُس وقت آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کعبہ کے اردگرد رہنے والے مکینوں کو کہا کہ آپ یہ جگہ چھوڑ دیں مگر اُنہوں نے دینے سے انکار کیا اور کہا کہ آپ جبری بیع نہیں کرسکتے ہیں اس پر اُن کو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم کعبے پر آکر اُترے ہو کعبہ تم پر آکر نہیں اُترا ہے۔ یہاں تک کہ ان کے گھروں کی قیمت کو بیت اللہ کے دروازے پر لے جاکر کے رکھ دیا اور کہا کہ اپنے مکان کی قیمت یہاں سے اُٹھالی جائے۔ لیکن دوسری طرف یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ضرورت کی بنا پر ہی آس پاس کی جگہ پر بیع جبری کی جاسکتی ہے اگر شدید ضرورت نہ ہو تو کوئی بھی مکینوں کے ساتھ جبری بیع نہیں کرسکتا ہے۔

اس کے لیے حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور میں جب ان کو مسجدِ نبوی کے لیے جگہ کی ضرورت تھی تو سب نے جگہ چھوڑ دی سوائے حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جو حضور ﷺ کے چچا تھے۔ بحث کے بعد اپنے درمیان انہوں نے حکم بنانے کا فیصلہ کیا تو اُس پر حضرت ابی کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جبراً بیع سے منع کیا۔ انہوں نے اس بات پر استدلال کیا کہ جب حضرت سلیمانؑ بیت المقدس کے لیے نوجوان سے زبردستی بیع کرنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس پر ممانعت کا حکم ہوا۔ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میرا مکان لینا اتنا ضروری نہیں ہے یعنی اگر ضرورت ناگزیر ہو تو زبردستی لے سکتے تھے مگر پھر بھی میں اپنا مکان ہدیۃً دیتا ہوں۔ زبردستی صرف اس صورت میں جائز ہے جب ضرورت ناگزیر ہو جائے اور کعبہ کے آس پاس کا علاقہ کعبہ کی ضروریات کے لیے تھا۔ اور قرآن میں بھی حکم ہے کہ لوگ یہاں جو مقیم ہیں اور جو لوگ باہر سے آنے والے ہیں اُن سب کا برابر کا حق ہوگا۔ اس وجہ سے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زبردستی لینے کا فیصلہ فرمایا تھا۔

تقی صاحب یہاں یہی بیان کرتے ہیں کہ زبردستی بیع صرف ضرورت کے وقت جائز ہے۔ اگر اشد ضرورت نہیں ہوگی تو بے جا تنگ نہیں کیا جائے گا اور مکان کا معاوضہ بھی بازاری قیمت پر صحیح وقت پر ادا کیا جائے۔(40)

پاکستان کے قوانین اور جبری بیع:

تقی صاحب بیان کرتے ہیں کہ پاکستان میں کچھ ایسے قوانین موجود رہے ہیں جو جبری بیع کے ذریعے بلا معاوضہ دوسرے کی ملکیت لینے کی اجازت میں شامل رہے ہیں۔ لیکن اللہ کے فضل و کرم سے میرے فیصلوں کے ذریعے اب وہ منسوخ ہو چکے ہیں۔ لیکن ابھی بھی کچھ ایسے قوانین موجود ہیں جو کہ شرعی شرائط سے بالاتر نظر آتے ہیں جن میں حکومت مکان کی قیمت ادا کرتے وقت بازاری معاوضہ کی بجائے خود سے قیمت مقرر کر کے جگہ کو خرید لیتے ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب "ملکیت زمین اور اس کی تحدید" کے نام سے اس کو غلط قرار دیا ہے۔ اس فیصلے کو عمل میں لاتے ہوئے ذوالفقار علی بھٹو کے دور کے اس ناجائز قوانین کو ختم کیا گیا اور حکومت کو بتایا گیا ہے کہ وہ کس طرح عام شہری سے جائیداد لیتے وقت

معاوضہ بازاری قیمت پر طے کرپائے گا۔[41]

باب ما جاء فيمن خرج إلى الغزو وترك ابويه:

"عن عبدالله بن عمرو رضی الله عنه قال: جاء رجل الى النبى صلى الله عليه وسلم يستاذنه فى الجهاد، فقال: الك والدان؟ قال: نعم قال ففيهما فجاهد"[42]

ترجمہ: (حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور جہاد میں جانے کی اجازت طلب کی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کے اندر جہاد کرو، یعنی ان کی خدمت کرو۔)

والدین کی خدمت جہاد سے افضل ہے:

تقی صاحب بتاتے ہیں کہ شرط یہ ہونی چاہیے کہ جہاد فرض عین نہ ہو۔ فرض عین اس وقت ہو گا جب ہم پر کوئی دشمن حملہ آور ہو جائے، پھر اس صورت میں دشمن کا دفاع کرنا فرض عین ہو جاتا ہے۔ لیکن دوسری طرف اگر عام حالات میں جہاں جہاد فرض عین نہ ہو اس وقت والدین کی خدمت کرنا جہاد پر جانے سے افضل ہو گا۔ عام طور پر اگر لوگوں کو دیکھا جائے تو وہ اس بات کا لحاظ نہیں کرتے کہ والدین کی خدمت کرنا، ان کی اطاعت کرنا کتنی بڑی نعمت میں شامل ہے۔ والدین کی خدمت کی فضیلت بہت زیادہ ہے۔ تقی صاحب کا کہنا ہے کہ میرے پاس بہت سارے طالب علم مفتی بننے کے لیے آئے لیکن اُن کے والدین نے انہیں اجازت نہیں دی تھی۔ اس بات پر آپ نے فرمایا کہ آپ مفتی بننے کے لیے آئے ہو والدین کی نافرمانی بھی کر رہے ہو۔ واپس جاؤ کیونکہ مفتی بننا فرض نہیں ہو گا، والدین کی اطاعت اور خدمت بجالانا فرض عین ہے۔ بتانے کا مقصد یہ ہے کہ اپنا شوق پورا کرنے کا نام دین نہیں ہے بلکہ دین یہ ہے کہ جس وقت جیسا تقاضہ ہو اس کے مطابق عمل کیا جائے۔[43]

باب ما جاء فى طاعة الامام:

"عن ام الحصين الاحمسية رضى الله عنها قالت: سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يخطب فى حجة الوداع و عليه برد قد التفع به من تحت ابطه قالت: وانا انظر الى عضلة عضده ترتج

سمعته يقول يا ايها الناس اتقوا الله وان امر عليكم عبد حبشى مجدع فا سمعو اله واطيعوا ما اقام لكم كتاب الله"[44]

ترجمہ: (حضرت ام حصین احمسیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتی ہیں کہ خطبہ حجتہ الوداع کے موقع پر حضور ﷺ کو یہ خطبہ دیتے ہوئے سنا اس حال میں کہ آپ ﷺ کے اوپر ایک چادر تھی جس کو آپ ﷺ نے بغل کے نیچے سے لپیٹا ہوا تھا۔ اور میں آپ ﷺ کے بازو کے گوشت کو دیکھ رہی تھی کہ وہ حرکت کر رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! اللہ سے ڈرو اور اگر تمہارے اوپر ایسا حبشی غلام امیر بنادیا جائے جس کے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے ہوں تو بھی اس کی بات کی سند اور اس کی اطاعت کرو جب تک وہ تمہارے لئے اللہ کی کتاب کو قائم رکھے۔)

امیر اور حاکم کی اطاعت واجب ہے:

اس حدیث مبارکہ میں امیر اور حاکم کی اطاعت کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ جب تک امیر کفر بواح کا ارتکاب نہ کر بیٹھے، اُس وقت تک مباحات میں اس کی اطاعت واجب رہے گی۔ لیکن اگر حاکم کسی گناہ کا حکم دے تو اس صورت میں اطاعت جائز نہیں ہو گی۔ امیر کے حکم کے حوالے سے قرآن کی آیت ملتی ہے کہ

"يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ "[45]

ترجمہ: (اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول ﷺ کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں۔)

اس آیت میں اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ اولی الامر کی بھی اطاعت کا حکم ملتا ہے۔ "اولی الامر" اللہ عزوجل اور اس کے رسول ﷺ کے علاوہ اگر کوئی حکم دیتا ہے تو بھی اس کی اطاعت واجب آئے گی۔ فقہاء کرام کی رائے ہے کہ اگر امام کسی مباح کام کا حکم دے دیتا ہے تو مباح کام واجب ہو گا۔ اور اگر دوسری طرف امام کسی مباح کام سے روک دیتا ہے تو وہ مباح کام ناجائز ہو گا۔ معلوم ہوا کہ مباح امور میں قانون کی پابندی لازم آئے گی۔[46]

خلیفہ کا قریشی ہونے اور نہ ہونے پر اختلاف:

تقی صاحب یہاں اس بات کو سامنے رکھتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کے وقت

اُن سے اُن کے بعد کے خلیفہ کا پوچھا گیا تو اُنہوں نے فرمایا کہ اگر حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ زندہ ہوتے تو میں ان کو خلیفہ بناتا مگر چونکہ اب وہ وفات پا چکے ہیں تو اس صورت میں انہوں نے دوسری طرف سالم موسیٰ حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی فرمایا کہ اگر آج زندہ ہوتے تو ان کو خلیفہ بنا دیتا جبکہ سالم موسیٰ قریشی نہیں تھے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ خلیفہ بننے کے لیے قریشی ہونا ضروری نہیں ہے۔[47]

"الامتہ من قریش" سے استدلال:

فقہاء کے نزدیک "الا مته من قريش" ایک خبر ہے انشاء نہیں ہے۔ یعنی کہ آپ ﷺ نے آئندہ آنے والے وقت کے لیے خبر دیدی کہ میرے بعد جو خلفاء ہوں گے وہ زیادہ تر قریش کے ہوں گے، نہ یہ کہ قریشی ہونا ضروری اور ناگزیر ہے۔ اس کے بغیر خلافت درست نہیں ہو گی۔[48]

اولی الامر سے کون سے حاکم مراد ہیں؟

تقی صاحب یہاں ایک طالب علم کے سوال کو سامنے رکھتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ قرآن کریم میں جو ارشاد ہے کہ

"أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ"[49]

ترجمہ: (حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول ﷺ کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں۔)

اس میں سوال کیا جاتا ہے کہ اولی الامر سے ہر حاکم مراد ہو گا یا پھر وہ حاکم مراد ہے جس میں شرائط اجتہاد پائی جاتی ہوں؟

فقہاء نے اس سوال پر بحث کی ہے کہ اولی الامر سے کون مراد ہیں؟ اور مفسرین بھی اس کی متعدد تفسیریں بیان کرتے ہیں کہ اولی الامر سے مراد فقہاء مجتہدین ہیں جبکہ بہت سے مفسرین کے نزدیک اولی الامر سے مراد حکام ہیں۔ چاہے وہ حکام مجتہد ہوں یا غیر مجتہد ہوں۔ حاکم کا ہر حکم واجب الاطاعت ہے بشرطیکہ وہ معصیت کا حکم نہ ہو۔

طالب علم کے دوسرے سوال کو تقی صاحب بیان کرتے ہیں کہ کیا اولی الامر یعنی حکام کی اطاعت صرف اس وقت واجب ہو گی جب وہ قاضی یا عدالت کے ذریعہ کوئی حکم نافذ کریں یا یہ کہ ہر حکم نافذ العمل ہو گا چاہے وہ قاضی کے واسطے ہو یا بغیر واسطے ہو؟

اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں حکم واجب العمل ہوں گے کیونکہ حاکم کے حکموں کی دو قسمیں پائی جاتی ہیں۔ ایک انتظامی احکام میں جو کہ قاضی کے واسطے سے نہیں آتے بلکہ یہ احکام براہِ راست حاکم بحیثیت حاکم کے جاری کرتا ہے

اور دوسرے احکام وہ جو کسی مقدمے کے فیصلے سے متعلق ہوں۔ اس قسم کے احکام قاضی کے واسطے سے جاری کیے جاتے ہیں۔ دونوں اقسام کے احکام واجب التعمیل ہیں۔(50)

باب ما جاء فی لبس الحریر فی الحرب:

"عن انس رضی الله تعالیٰ عنه ان عبد الرحمٰن بن عوف رضی الله تعالیٰ عنه والزبیر بن العوام رضی الله تعالیٰ عنه شکیا القمل الی لنبی ﷺ فی غزاة لهما فرخص لهما فی قمص الحریر"(51)

ترجمہ: (حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک جنگ کے دوران حضور ﷺ سے جوئیں ہو جانے کی شکایت کی۔ چنانچہ حضور ﷺ نے ان دونوں حضرات کو ریشم کا قمیض پہننے کی اجازت دی۔)

ریشم پہننے کے بارے میں فقہاء کے درمیان اختلاف:

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ خارش کی وجہ سے یا جوؤں کی وجہ سے یا بیماری کی وجہ سے مردوں کے لیے ریشم کا استعمال مطلقاً جائز ہے۔ اسی طرح جنگ کے دوران بھی مردوں کا ریشم پہن لینے میں قباحت نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ دشمنوں سے بچاؤ کا ذریعہ ہے کیونکہ اگر خالص ریشم ہو گی تو تلوار رچٹ جاتی ہے اور آدمی زخمی ہونے سے بچ جاتا ہے۔ اس لئے امام شافعیؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں حریر کا استعمال مطلقاً جائز ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دونوں صورتوں میں خالص حریر پہننا جائز نہیں البتہ مخلوط حریر پہن سکتے ہیں اور اس میں بھی شرط ہو گی کہ تانا حریر ہو اور بانا غیر حریر ہو۔(52)

لباس کے بارے میں شرعی اصول:

لباس کے اندر شریعت نے بڑی لچک رکھی ہے اور اُمت کے لیے کوئی ایسا لباس لازم نہیں جس کی خلاف ورزی ناجائز اور حرام ہو۔ اس کی بجائے اسلام نے کچھ اصول بتا دیے ہیں اگر ان اصولوں پر چلتے ہوئے لباس پہنا جائے تو جس قسم کا بھی لباس ہو گا وہ جائز ہو گا۔ جس میں مردوں کے لباس حریر کے نہ ہوں، دوسرے یہ کہ وہ لباس ساتر ہو یعنی جسم کا جتنا حصہ عورت ہے اس لباس کے ذریعہ وہ حصہ صحیح طریقے سے چھپ جائے۔ جیسے کہ قرآن کریم حکم ملتا ہے کہ

"أَنزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَارِي سَوْءَاتِكُمْ وَرِيشًا"[53]

ترجمہ:(اے آدم کی اولاد! بے شک ہم نے تمہاری طرف ایک لباس وہ اُتارا کہ تمہاری شرم کی چیزیں چھپائے اور ایک وہ کہ تمہاری آرائش ہو۔)

اس آیت میں لباس کا اصل مقصد بتایا جارہا ہے کہ وہ ساتر ہو اور دوسری طرف لباس کے ذریعے زینت حاصل کرنے میں کوئی برائی نہیں ہے بشرطیکہ شریعت کے اصولوں کو مدنظر رکھا گیا ہو۔ تیسرا اصول یہ ہے کہ عورت مرد کی مشابہت اختیار نہ کرے اور مرد عورت کی مشابہت نہ کرے۔ چوتھا یہ کہ زیر جامہ ٹخنوں تک ہو۔ پانچواں اصول یہ ہے کہ لباس پہننے کا مقصد تکبر اور اکڑنا نہ ہو۔ چھٹا اصول یہ ہے کہ تشبہ بالکفار ہو گا۔ جس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ میں لباس پہن کر ان جیسا نظر آؤں گا یہ بھی ناجائز ہے۔[54]

کوٹ پتلون پہننے کا حکم:

تقی صاحب فرماتے ہیں کہ کوٹ پتلون پہننے کا رواج پوری دنیا میں شیوع بن چکا ہے۔ مگر بات یہ ہے کہ کیا اس میں تشبہ کی شان مغلوب ہو گی۔ تشبہ کی وجہ سے کوٹ پتلون کو حرام کہنا جائز نہیں ہو گا۔ البتہ شریعت نے جو اصول لباس کے حوالے سے بیان کیے ہیں اُن پر عمل پیرا ہو یعنی وہ لباس ساتر ہو۔ اگر پتلون اتنی چست ہو کہ اعضاء واضح ہو رہے ہوں چاہے وہ عورت ہو یا مرد تو جائز نہیں ہے۔ باقی اس لباس کے پہننے سے انگریزوں سے مشابہت ہو جاتی ہے۔ اس کا پہننا کراہت سے خالی نہیں ہو گا، حتی الامکان کوشش کی جائے کہ اس سے پرہیز کیا جائے۔ دوسری طرف کچھ لوگوں کو ملازمت کی وجہ سے مجبوری میں یہ لباس پہننا پڑ بھی جائے تو کوئی کراہت نہیں ہو گی بشرطیکہ وہ دل میں اسے اچھا نہ سمجھ رہا ہو۔ اور پتلون ڈھیلی سلوالے۔[55]

ٹائی کا حکم:

تقی صاحب ٹائی کے متعلق واضح کرتے ہیں کہ ٹائی کے بارے میں لوگ یہ خیال رکھتے ہیں کہ اس لئے حرام ہے کیونکہ ٹائی درحقیقت صلیب تھی۔ عیسائی لوگ صلیب لٹکایا کرتے تھے۔ جس وجہ سے ٹائی کو صلیب کا متبادل بنادیا گیا۔ مگر میری نظر میں یہ سچ نہیں ہے۔ تقی صاحب کا کہنا ہے کہ کافی تلاش کے بعد بھی اس بات کی دلیل یا کوئی ماخذ نہیں ملا ہے۔ لباس کے بارے میں جتنی بھی کتابیں لکھی جاچکی ہیں، اُن میں ٹائی کے بارے میں اب تک کوئی بھی مضمون سامنے نہیں آیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ جب تک اس کی حقیقت معلوم نہ ہو اس وقت تک اس کو نصاریٰ کا شعار قرار دے کر حرام قرار دینے سے میں توکف لسانی کرتا ہوں۔[56]

غیر منکر پر نکیر کرنا خود منکر ہے:

"بد گو یند بد گفتند بدیست" تقی صاحب بتاتے ہیں کہ اگر ایک شخص عمامہ نہ پہنے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن اس کو بُرا سمجھنا یا بُرا کہنا یا اس کو نکیر کرنا خود منکر ہے اور بُرا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ غیر منکر پر نکیر کرنا خود منکر ہو گا۔ جیسے کہ ایک چیز شریعت میں منکر نہیں ہے تو اس پر دینی نقطہ نظر سے نکیر کرنا خود منکر کے زمرے میں آئے گا۔ نبی کریم ﷺ چونکہ عمامہ پہنتے تھے تو یہ سنت ہے لیکن واجب نہیں ہے، تو جو شخص عمامہ پہنے گا اُسے اجر ملے گا مگر جو نہیں پہنتا تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہو گا۔ اس لئے واضح ہوتا ہے کہ ایک کام سے اللہ تعالیٰ نے منع نہیں کیا ہوا تو دوسرا انسان کیسے خدائی فوجدار بن سکتا ہے۔[57]

بغیر عمامہ کے نماز پڑھنا:

تقی صاحب یہاں ایک طالب علم کا سوال رکھتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ سوال تھا کہ جب آدمی گھر سے باہر نکلتا ہے اور شرفاء کے مجمع میں جاتا ہے تو عمامہ ضرور پہنتا ہے تو جس علاقے میں اس قسم کا رواج ہوتا ہے وہاں کے بعض علماء یہ فرماتے ہیں کہ اس شخص کے لئے گھر میں بھی بغیر عمامہ کے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ اس کو عمامہ پہن کر نماز پڑھنی چاہیے۔ فقہاء کرام کا اس بات کا جواب یہ تھا کہ اگر ایک انسان گھر میں بنیان یا لنگی پہنی ہو گی تو وہ ایسے میں جب باہر لوگوں کے سامنے نہ جانا چاہ رہا ہو تو وہ کیسے ان کپڑوں میں نماز پڑھ سکتا ہو گا۔ ایسے کپڑوں میں اُس کے لیے نماز پڑھنا بھی مکروہ ہو گا۔ تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ گھر سے باہر نہیں نکل سکتا ہے۔[58]

باب ماجاء فی کراھیة جر الازار:

" عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه ان رسول ﷺ
قال: لا ینظر اللہ یوم القیامة الی من جر ثوبه خیلاء "[59]

ترجمہ: (حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس شخص کی طرف دیکھیں گے بھی نہیں جو اپنا کپڑا عجب اور تکبر کی وجہ سے لٹکاتا ہو۔)

ٹخنے ڈھکنا حرام ہے:

شلوار، پاجامہ اور تہبند وغیرہ کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا جائز نہیں۔ اس کے بارے میں متعدد احادیث آئی ہیں۔ تقی صاحب بتاتے ہیں کہ احادیث میں اس عمل پر وعید بھی آئی ہے۔ اس معاملے پر یہ بات اٹھتی ہے کہ کیا ٹخنوں سے نیچے لٹکانے کی ممانعت صرف تکبر کی صورت میں ناجائز ہو گی یا ممنوع ہو گی یا پھر ہر حال میں اس کی ممانعت آئی ہے۔ تقی صاحب بتاتے ہیں کہ علماء کی ایک تعداد کا کہنا ہے کہ یہ لٹکانا صرف اسی صورت میں ناجائز ہو گا جب کوئی آدمی تکبر کی نیت

رکھتا ہو گا۔ مگر اگر ایک شخص تکبر کے بغیر اپنا پاجامہ یا شلوار ٹخنوں سے نیچے لٹکائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہو گا۔ زیادہ سے زیادہ اس کو مکروہ تنزیہی کہا جائے گا۔[60]

ٹخنوں سے نیچے لٹکانا تکبر کی علامت ہے:

تقی صاحب فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک جو بات زیادہ واضح معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ حقیقتاً انہی خیالات کے ساتھ اس معنی میں مفید نہیں جب تک آدمی کو تکبر ہونے کا یقین نہ ہو جائے۔ اس وقت تک "جرازار" کر سکتا ہے جب کہ اس کی اصل وجہ تکبر ہے۔ لیکن تکبر کا ذریعہ بطور حکمت ہے نہ کہ بطور علت یعنی عام طور پر تکبر ہی کی وجہ سے حرازار کیا جاتا ہے گویا کہ اس ممانعت کا اصل مدار تکبر پر ہے۔[61]

باب ما جاء فی الصورۃ:

"عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: نھی رسول ﷺ عن الصورۃ فی البیت ونھی ان یصنع ذلك"[62]

ترجمہ: (حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے گھروں میں تصویر رکھنے اور اسے بنانے سے منع فرمایا۔)

تصویر کے بارے میں فقہاء کا اختلاف:

امام مالکؒ کا کہنا ہے کہ وہ تصویر رکھنا ناجائز ہو گا جو سایہ دار ہو گی۔ جن میں مجسد اور مجسم یا بُت کا ہونا شامل ہے۔ کیونکہ ان کا سایہ زمین پر پڑتا ہے اس وجہ سے یہ حرام اور ناجائز ہیں مگر اگر کوئی تصویر کاغذ یا دیوار یا کپڑے پر بنی ہو جس کا سایہ نہ ہو تو امام مالکؒ کے نزدیک وہ حرام نہیں ہو گی البتہ مکروہ تنزیہی ہے۔ جب کہ جمہور فقہاء ہر اُس تصویر کو ناجائز قرار دیتے ہیں چاہے وہ سایہ رکھتی ہو یا نہ رکھتی ہو۔[63]

کیمرے کی تصویر کا حکم:

کیمرے سے تصویر بنانا بھی بلکل ایسے ہی ناجائز قرار دیا جیسا کہ ہاتھ سے تصویر بنانا ناجائز ہے۔ فقہاء کرام کا کہنا ہے کہ چونکہ پہلے ہاتھ سے تصویر بنائی جاتی تھی، اب اگر آلہ کا استعمال کیا جا رہا ہے تو اس کی حلت اور حرمت پر کوئی فرق نہیں آئے گا۔ یہ بھی ویسے ہی ناجائز سمجھا جائے گا کیونکہ آلے کے بدل جانے سے حکم نہیں بدل سکتا ہے۔[64]

مواضع حاجت میں تصویر کا حکم:

علماء کرام کے نزدیک مواضع حاجت کو دیکھتے ہوئے تصویر بنانا صرف اس لیے جائز ہو گا جس میں انسان کو اپنی شناخت کروانی ضروری ہو گی جیسے شناختی کارڈ یا پاسپورٹ وغیرہ۔ مواضع حاجت کے بغیر اس کا استعمال ناجائز ہو گا۔[65]

ٹیلی ویژن رکھنا جائز نہیں:

ٹیلی ویژن کا استعمال منکرات در منکرات کا مجموعہ ہے۔ تقی صاحب کا کہنا ہے کہ ٹیلی ویژن گھر میں اپنے پاس رکھنا جائز نہیں ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ٹیلی ویژن پر ایسی چیزیں دکھائی جاتی ہیں جو پہلے سے تصویر کی شکل میں موجود ہوتی ہیں اور ان کو بڑا کر کے ٹی وی اسکرین پر دکھایا جاتا ہے۔ علماء کرام کی بڑی جماعت نے اسے حرام قرار دیا ہے۔(66)

باب ماجاء فی الخضاب:

"عن ابی هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال :قال رسول ﷺ غير والشيب ولا تشبهوا با ليهود"(67)

ترجمہ: (حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے بڑھاپے کو یعنی بالوں کی سفیدی کو تبدیل کرو اور یہودیوں کے ساتھ مشابہت اختیار مت کرو۔)

آپ ﷺ نے مہندی کو بالوں میں لگانے کا حکم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیا تھا تاکہ یہودیوں کے ساتھ مشابہت نہ ہو سکے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ حنا اور کتم کا استعمال ملا کر کے کرتے تھے جس سے بالوں کا رنگ بدل جاتا تھا۔

خضاب لگانے کا حکم:

بالوں کو سیاہ خضاب لگانے کی ممانعت صرف اس صورت میں جائز نہیں ہے کہ ہم کسی کو دھوکہ دینے کے لیے خود کو جوان ظاہر کریں۔ لیکن اگر سیاہ خضاب جنگ میں مجاہد بن کر کے لگایا جائے کے جہاد کرتے وقت قوت اور رعب ظاہر ہو تو باتفاق جائز ہو گا۔

اس کے ساتھ ساتھ تقی صاحب کہتے ہیں کہ بیوی کا شوہر کے لیے اور شوہر کا بیوی کے لیے خضاب لگانا تاکہ خوش ہوں، زینت کے لیے تو حرام نہیں ہو گا۔ بعض فقہاء کرام اس بات پر اعتراض کرتے ہیں کیونکہ اُن کا کہنا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سیاہ خضاب لگانے سے منع فرمایا ہے اور بعض کا ماننا ہے کہ بیوی اپنے شوہر کے لیے لگا سکتی ہے اور شوہر کے لیے سیاہ خضاب جائز نہیں ہے۔

تقی صاحب کہتے ہیں کہ سیاہ خضاب دھوکہ دینے پر ناجائز ہو گا اور اگر میاں بیوی ایک دوسرے کے لیے اس زینت پر خوش ہوتے ہیں تو کوئی مذائقہ نہیں ہو گا۔(68)

باب ماجاء فی لبس الجبة:

"عن عروة بن المغيرة بن شعبة عن ابيه ان النبى صلى الله

علیه وسلم لبس جبة رومية ضيقة الكمين"(69)

ترجمہ: (حضرت عروۃ بن مغیرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ ایسا جبہ زیب تن فرمایا کرتے تھے جو روم کا بنا ہوا تھا اور اس کی آستین تنگ تھیں۔)

بعض روایات میں آتا ہے کہ یہ جبہ آپ کے پاس کہیں سے ہدیہ کے طور پر آیا تھا اور بعض روایات میں آتا ہے کہ اس جبے کی قیمت دو ہزار دینار تھی یعنی تقریباً بیس ہزار درہم۔ حضور ﷺ نے ایسا قیمتی جبہ بھی زیب تن فرمایا اور پیوند لگے ہوئے کپڑے بھی زیب تن فرمائے۔ آپ ﷺ کی عام عادت سادے اور معمولی کپڑے پہننے کی تھی لیکن اس قیمتی جبے کو زیب تن فرما کر اس بات کا اظہار فرمادیا کہ ایسے کپڑے پہننا بھی جائز ہے اور جواز کا راستہ پیدا کر کے حضور ﷺ نے ہمارے اور آپ کے لیے سہولت پیدا فرمادی۔(70)

زندگی گزارنے کا معیار کیا ہونا چاہیئے؟

تقی صاحب کا کہنا ہے کہ اس مسئلے سے ہمیشہ لوگ دوچار ہوئے ہیں کہ کپڑا کس معیار کا پہننا چاہیئے؟ زندگی گزارنے کا معیار کیا ہونا چاہیئے؟ مفتی صاحب ہمیں بتاتے ہیں کہ ہم زندگی کو عام اور سادہ بھی گزار سکتے ہیں اور دوسری طرف ہم اپنی زینت کو بڑھانے کے لیے اپنی آرائش کے لیے اگر کوئی قدم اٹھاتے ہیں تو اس میں کوئی ممانعت نہیں ہے۔ یعنی کہ اچھا اور قیمتی لباس پہن سکتے ہیں مگر اس لباس کو پہننے کا مقصد لوگوں کے سامنے اسراف عجب و تکبر نہ ہو۔ یعنی قیمتی لباس اس لیے پہنا جائے کہ ہمارا دل چاہتا ہے یا لوگ بھی خوش ہوں گے۔ اچھے لباس میں دیکھ کر تو کوئی بھی مذائقہ نہیں ہے۔ مگر اس کا مقصد یہ نہ ہو کہ میں لوگوں کے درمیان اکڑ کر اور غرور و تکبر کے ساتھ یہ واضح کروں کہ میرے پاس روپیہ پیسہ ہے اور آرائش سے مراد کہ گھر ہمارے پاس پیسہ چھپانے کے لیے موجود ہے اور اس میں آرائش کا سامان نہیں ہے۔ اُس کی زینت کے لیے رنگ و روغن کروانا یا زینت کا سامان لا کر گھر کو سجانا حلال ہوگا لیکن اس کو نمائش کے طور پر استعمال کرنا تا کہ لوگ مجھے بڑا آدمی اور دولت مند سمجھیں گے، اگر شاندار سواری کا استعمال نمائش کے زمرے میں آجائے تو یہ سب حرام ہوگا۔(71)

تنگ اور کف والی آستین کا حکم:

تقی صاحب نے بتایا کہ ایک مرتبہ ایک صاحب نے ایک جوڑا ہدیہ میں دیا اس کی آستین کف والی تھیں۔ وہ کُرتا پہن کہ میں ایک دینی جلسے میں چلا گیا۔ وہاں بیان ہوا، جب میں گھر واپس آیا تو دو تین روز کے بعد ایک لمبا چوڑا خط ایک صاحب نے لکھ کر بھیج دیا۔ اس خط میں انہوں نے یہ لکھا کہ ہمیں یہ دیکھ کر بہت افسوس ہوا کہ آپ نے کف والا کُرتا پہن

رکھا تھا، حالانکہ یہ خلاف سنت ہے۔

مجھے اس بات سے تو بہت خوشی ہوئی کہ لوگ اتنی باریک بینی سے دیکھتے ہیں یہ ایک نعمت ہے اور اس کو غنیمت سمجھنا چاہیئے کہ لوگ باریک بینی سے انسان کو دیکھتے رہیں۔ جب یہ نگرانی ختم ہو جاتی ہے تو پھر انسان نفس و شیطان کے ہاتھوں گمراہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ لوگ باریک بینی سے دیکھتے ہیں۔ چنانچہ میں نے پھر ان کو شکریہ کا خط لکھا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جزاء خیر عطا فرمائے۔ آپ نے صحیح تنبیہ فرمائی۔ بات یہ ہے کہ ہمارے تمام بزرگ بھی بغیر کف کے کُرتے پہنتے رہے ہیں۔ اس لئے مناسب یہ ہے کہ آدمی اپنے بزرگوں کے طریقے کا لباس پہنے اور الحمدللہ میرا عام معمول یہی ہے کہ میں بغیر کف کے ہی کُرتا پہنتا ہوں لیکن جہاں تک آپ نے یہ بات لکھی ہے کہ یہ عمل خلافِ سنت ہے یہ بات درست نہیں۔ اس لئے کہ ایک طرف تو خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے تنگ آستین کا لباس پہننا ثابت ہے جیسا کہ حدیث باب میں ہے کہ وہ قیمتی جبہ جو آپ ﷺ نے زیب تن فرمایا، وہ تنگ آستینوں والا تھا۔(72)

کسی عمل کا سنت نہ ہونا اور کسی عمل کا خلافِ سنت ہونا دونوں الگ ہیں:

تقی صاحب یہاں دو باتوں میں فرق واضح کر رہے ہیں کہ ایک عمل جو کہ سنت نہ ہو اور دوسرا عمل جو کہ سنت کے خلاف ہو، یہ دو الگ چیزیں ہو گئیں۔ مثلاً ایک چیز وہ ہو جس پر حضور ﷺ نے عمل نہیں کیا ہو گا وہ اب دوسرا شخص کر لیتا ہے تو یہ خلاف سنت نہیں ہو گا۔ یعنی جیسے نبی اکرم ﷺ قمیض میں کف یا جیب نہیں لگاتے تھے اور اگر آج کے لوگ کف یا جیب لگاتے ہیں تو اِسے زیادہ سے زیادہ یہ کہا جائے گا کہ یہ سنت نہیں ہے، یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ سنت کے خلاف ہے۔ لیکن اگر نبی اکرم ﷺ نے کسی بات کی ترغیب فرما دی ہو اور اُس کام کو ایک بندہ نہیں کر رہا ہو اُس کی بجائے اپنی ترغیب لگا کر بیٹھ جائے تو یہ بات خلافِ سنت کہلائے گی۔(73)

قمیض کے کالر کا حکم:

تقی صاحب کہتے ہیں قمیض کے کالر کو لوگ اس لئے منع کیا کرتے تھے کیونکہ یہ انگریزوں سے مشابہت رکھتا تھا۔ مگر آج کے دور میں یہ اتنا عام ہو چکا ہے کہ ہر کوئی قمیض کالر کے ساتھ پہن رہا ہے جس وجہ سے انگریزوں کے ساتھ اب یہ مشابہت ختم ہو گئی ہے۔(74)

تقی عثمانی صاحب نے تقریر ترمذی میں معاشرتی مسائل کو بیان کرتے ہوئے مستند دلائل کے ساتھ واضح کیا ہے کہ کس طرح ہم معاشرے میں رہتے ہوئے اپنے معمول کو ان شرعی احکام کے تحت پُر سکون بنا سکتے ہیں۔ چاہے اُن مسائل کا تعلق قتل، زنا، شراب، جہاد یا پھر ہمارے کھانے پینے، لباس کے اوڑھنے سے کیوں نہ ہو۔ ہمیں تمام مسائل کا حل نبی اکرم ﷺ کی سنت مبارکہ، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اعمال، فقہاء کرام، اولیاء کرام کے اقوال سے ملتا

ہے تاکہ قاری کے لیے اسے سمجھ بوجھ کے ساتھ پڑھنے کے بعد زندگی گزارنے کا کامیاب راستہ میسر ہو سکے۔

حوالہ جات

القرآن الحکیم

1. حکیم، لقمان، لمحات من حیاۃ القاضی محمد تقی عثمانی، مکتبہ الحکمۃ، کراچی، 1460ھ، ص:19
2. بخاری، محمد اکبر شاہ، حافظ، اکابر علمائے دیوبند، ادارہ اسلامیات، لاہور، 1419ھ، ص:551
3. عثمانی، محمد تقی، البلاغ بیاد فقیہ ملتہ حضرت محمد شفیع، مکتبہ دار العلوم، کراچی، 1962ھ، ج:1، ص:79
4. مرزا، محمد عدنان، تربیتی بیانات، مکتبہ الایمان، کراچی، س۔ن، ص:6
5. بخاری، محمد اکبر شاہ، حافظ، اکابر علمائے دیوبند، ص:551
6. مرزا، محمد عدنان، تربیتی بیانات، ص:10
7. عثمانی، محمد تقی، تقریر ترمذی، مکتبہ دار العلوم، کراچی، 1990ء، ج:1، ص:35
8. بخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل، امام، الجامع الصحیح، کتاب البیوع، باب لا یبیع علی بیع اخیہ، دار العلم، بیروت، 1981ء، حدیث نمبر 2160
9. ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک سلمی، الجامع الصحیح، کتاب البیوع عن رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، باب ماجاء لا یبیع حاضر لباد، حدیث نمبر:1223، دار احیاء التراث العربی، س۔ن
10. مسلم، ابو الحسین مسلم بن الحجاج بن مسلم بن ورد القشیری النیشاپوری، امام، الصحیح، کتاب المساقاۃ، باب بیع البعیر واستثناء رکوبہ، دار الخلافۃ العلمیۃ، بیروت، 1330ھ، حدیث نمبر 2097
11. ابو داؤد، سلیمان بن اشعث سجستانی، سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب فی الرھن، حدیث نمبر 2512، فرید بک سٹال، اُردو بازار، لاہور، 1975ء
12. النساء(۴)36
13. ابو داؤد، سلیمان بن اشعث سجستانی، امام، سنن ابی داؤد، کتاب الزکاۃ، باب فی صلۃ الرحم، حدیث نمبر ۱۶۹۳
14. ترمذی، محمد بن عیسیٰ، امام، سنن ترمذی، کتاب دیت و قصاص کے احکام و مسائل، باب ماجاء فی الدیۃ کم ھی من الابل، حدیث نمبر 1387، مکتبہ مصطفیٰ البابی، مصر، 1975ء
15. عثمانی، محمد تقی، تقریر ترمذی، مکتبہ دار العلوم، کراچی، 1990ء، ج:2، ص:34
16. مسلم، مسلم بن حجاج، امام، صحیح مسلم، کتاب القسامۃ و المحاربین والقصاص والدیات، باب ما یُباح بہ دمُ المسلم،

حدیث نمبر4375

17. البقرہ(2)256

18. عثمانی، محمد تقی، تقریر ترمذی، ج:2، ص:45

19. ابو عبد الرحمٰن، احمد بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر الخرسانی، امام، سنن نسائی، کتاب القسامۃ والعقود والدیات، باب سقوط القود من المسلم للکافر، حدیث نمبر4748، مکتبہ المیزان، لاہور، 2004ء

20. عثمانی، محمد تقی، تقریر ترمذی، ج:2، ص:53

21. ایضاً

22. ایضاً

23. ایضاً، ج:2، ص:54

24. ابو داؤد، سلیمان بن اشعث سجستانی، امام، السنن، کتاب الحدود، باب رجم ماعز بن مالک، حدیث نمبر4425

25. عثمانی، محمد تقی، تقریر ترمذی، ج:2، ص:73

26. احمد بن حنبل، امام، مسند امام احمد بن حنبل، کتاب الحدود، باب رجم الشیبانی الزنا، حدیث نمبر4418، مکتبہ رحمانیہ، لاہور، س۔ن

27. عثمانی، محمد تقی، تقریر ترمذی، ج:2، ص:79

28. النور(24)2

29. عثمانی، محمد تقی، تقریر ترمذی، ج:2، ص:83

30. ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک سلمی، الجامع الصحیح، کتاب الحدود، باب ماجاء فی حد السکران، حدیث نمبر1427

31. عثمانی، محمد تقی، تقریر ترمذی، ج:2، ص:94

32. ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک سلمی، الجامع الصحیح، کتاب السیر عن رسول صلی اللہ علیہ وسلم، باب ماجاء من یعطی الفئی، حدیث نمبر1556

33. کتاب السیر عن رسول صلی اللہ علیہ وسلم، باب ماجاء فیمن قتل قتیلا فلہ سلبہ، حدیث نمبر1562

34. عثمانی، محمد تقی، تقریر ترمذی، ج:2، ص:232

35. ایضاً، ص233

36. بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ، امام، الصحیح، کتاب الادب، باب اکرام الضیف وخدمتہ ایاہ بنفسہ، حدیث نمبر 6137
37. عثمانی، محمد تقی، تقریر ترمذی، ج:2، ص:253
38. النساء(۴)29
39. عثمانی، محمد تقی، تقریر ترمذی، ج:2، ص:253
40. ایضاً، ج:2، ص:254
41. ایضاً، ج:2، ص:256
42. بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ، امام، الصحیح، کتاب الجهاد والسیر، باب الجهاد باذن الأبوین، حدیث نمبر 3006
43. عثمانی، محمد تقی، تقریر ترمذی، ج:2، ص:300
44. ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک سلمی، الجامع الصحیح، کتاب الجهاد عن رسول ﷺ، باب ماجاء فی طاعۃ الامام، حدیث نمبر 1706
45. النساء(۴)59
46. عثمانی، محمد تقی، تقریر ترمذی، ج:2، ص:314
47. ایضاً، ج:2، ص:316
48. ایضاً
49. النساء(4)59
50. عثمانی، محمد تقی، تقریر ترمذی، ج:2، ص:318
51. بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ، امام، الصحیح، کتاب الجهاد والسیر، باب الحریر فی الحرب، حدیث نمبر 2919
52. عثمانی، محمد تقی، تقریر ترمذی، ج:2، ص:330
53. الاعراف(7)26
54. عثمانی، محمد تقی، تقریر ترمذی، ج:2، ص:330
55. ایضاً، ج:2، ص:232

56. ایضاً
57. ایضاً
58. ایضاً،ج:2،ص:333
59. بخاری، ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ، امام، الصحیح، کتاب اللباس، باب من حرا ازادہ من غیر خیلا، حدیث نمبر5786
60. عثمانی، محمد تقی، تقریر ترمذی، ج:2، ص:339
61. ایضاً، ج:2، ص:340
62. ترمذی، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک سلمٰی، الجامع الصحیح، کتاب اللباس، باب ماجاء فی الصورہ، حدیث نمبر1749
63. عثمانی، محمد تقی، تقریر ترمذی، ج:2، ص:347
64. ایضاً، ج:2، ص:349
65. ایضاً، ج:2، ص:350
66. ایضاً، ج:2، ص:351
67. ابو عبدالرحمٰن، احمد بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر الخرسانی، امام، سنن نسائی، کتاب الزینۃ من السنن، باب الاذن لاخضاب، حدیث نمبر5076
68. عثمانی، محمد تقی، تقریر ترمذی، ج:2، ص:353
69. خطیب تبریزی، ولی الدین ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ، مشکوٰۃ المصابیح، کتاب اللباس، تنگ آستین والے جبے کا استعمال، حدیث نمبر4305، دارالکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، 1424ھ/2003ء
70. عثمانی، محمد تقی، تقریر ترمذی، ج:2، ص:359
71. ایضاً، ج:2، ص:360
72. ایضاً، ج:2، ص:361
73. ایضاً
74. ایضاً، ج:2، ص:362